بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

محدث

ماہوار

نگران اصول
مولانا عبید اللہ صاحب رحمانی
شیخ الحدیث

مدیر مسئول
نذیر احمد املوی
رحمانی

نمبر ۳	ماہ جولائی سنہ ۱۹۴۰ء مطابق جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۵۹ھ	جلد ۸

جمع و ترتیب قرآن

عنوان بالا کے ماتحت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ اسلامیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن کا ایک نہایت اہم اور مفید مضمون اخبار "مدینہ" میں شائع ہوا ہے۔ مضمون کی اہمیت ہمیں مجبور کر رہی ہے کہ ہم ناظرین "محدث" کو بھی اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں۔ مضمون ذرا طویل ہے اس لئے غالباً "محدث" کے دو تین نمبروں میں یہ پورا ہوگا۔ ہم طلبا ر عربیہ اور علماء سے خصوصیت کے ساتھ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس مضمون کا بغور مطالعہ کریں۔

مولانا اخبار "مدینہ" کے ایڈیٹر کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

آپ کے اخبار میں ادھر چند دنوں سے کوئی اجمل صاحب نامی پروفیسر کا ایک مضمون گسستہ و شکستہ شکل میں قرآن مجید کی ترتیب و تدوین کے متعلق شائع ہو رہا ہے۔ باوجود طویل انتظار کے اب تک میں یہ نہیں سمجھ سکا ہوں کہ پروفیسر صاحب کی اپنی اس تحقیقاتی کام سے کیا غرض ہے؟ بہرحال ان کی کچھ بھی غرض ہو لیکن جناب سے مجھے یہ عرض ہے کہ مدینہ جیسے اخبار میں جو تقریباً عام مسلمانوں میں زیادہ پڑھا جاتا ہے اس قسم کے ناقص و نامکمل مضامین کی اشاعت سے اندیشہ ہے کہ بلاوجہ عوام کیلئے باعث انتشار و پریشانی نہ ہو۔ آپ کو اختیار ہے آئندہ جو کچھ اس سلسلے میں شائع کیجئے لیکن براہ مہربانی ذیل کی چند سطریں شائع فرما کر مسلمانوں پر احسان کیجئے۔ ان بیچاروں کے سامنے چاہتا ہوں کہ جو اصل واقعہ ہے مختصر لفظوں میں بیان کر دیا جائے۔ اس کے بعد جس کا جو جی چاہے لکھے کہ "واقعات" پر اوہامی اختراعات کا الحمد للہ کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ "اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ"

"قرآن کا جمع کرنا اور پڑھانا ہمارے ذمہ ہے" خدا کا وعدہ ہے ۔ بات یہ ہے کہ قرآن دنیا میں جس وقت بھی پیش ہوا ۔ سوال یہ ہے کہ پیش کرنیوالے نے اسکو کس شکل میں پیش کرنا چاہا ہے ؟ کسی زبانی گفتگو کی حیثیت میں یا کسی کتابی شکل میں ؟ اس سوال کے جواب کیلئے بجائے باہر کے خود قرآن کے اندر ہی کیوں نہ دیکھا جائے ۔ کس قدر عجیب ہے کہ "السبع المثانی" (سورہ فاتحہ) کے بعد جہاں سے حقیقی "القرآن العظیم" شروع ہوتا ہے اس کی پہلی آیت[1] کا دوسرا لفظ ذلک الکتاب ہے اور پھر یوں ہی مسلسل دس نہیں بیس نہیں بلکہ پچاس ساٹھ بلکہ شاید اسی پچاسی مقام پر تقریباً اکثر بڑی سورتوں میں قرآن کا پیش کرنیوالا تو یہی کہتا چلا جاتا ہے کہ میں جو کچھ پیش کر رہا ہوں کتابی شکل میں پیش کر رہا ہوں ۔ لیکن اب ان لوگوں کو کیا کہیے کہ اس کے بعد بھی وہ یہی کہتے چلے جاتے ہیں کہ قرآن کی ابتدائی شکل مدت تک زبانی بیان کی رہی پھر بعد کو لوگوں نے اس کو کتابی شکل عطا کی ۔

لطف یہ ہے کہ جاہلوں نے "ایام جاہلیت" کی جاہلیت کا مطلب خود اپنی طرف سے یہ گھڑ لیا کہ نوشت و خواند کی ناواقفیت کی یہ تعبیر ہے حالانکہ جو عرب کی تاریخ سے واقف ہے وہ ہی نہیں بلکہ صرف قرآن کا پڑھنے والا بھی اندازہ کر سکتا ہے کہ عرب کے جس عہد میں صحف ۔ کتب ۔ اسفار ۔ زبر ۔ الواح ۔ رق قلم ۔ مداد (روشنائی) نون (دوات) سفرہ (لکھنے والے لوگ) کاتبین (لکھنے والے لوگ) وغیرہ عام طور پر پائے جاتے ہوں ۔ اس ملک کی "جاہلیت" کا کیا وہ صحیح ترجمہ ہو سکتا ہے جو عام طور پر کیا جاتا ہے خود قرآن ہی غالباً اس لفظ کا موجد ہے اور جہاں پر اس نے اس کو استعمال کیا ہے اس کو نوشت و خواند کی جاہلیت سے دور کا بھی تعلق نہیں ۔ آخر عورتوں کا بے حیائی کے ساتھ باہر نکلنا اپنی قوم کی غلط طرفداری ، خدا کے متعلق بدگمانی ، آپ ہی بتایئے کہ ان باتوں کو لکھنے پڑھنے کی ناواقفیت سے کیا تعلق ؟ حالانکہ قرآن کریم نے جاہلیت کا اطلاق انہی عادات و اطوار خیالات و جذبات پر کیا ہے ، واقعہ یہی ہے کہ "جاہلیت" دراصل "غیر اسلامی اعتقادات و اخلاق" کی قرآنی تعبیر ہے ورنہ نوشت و خواند کے اعتبار سے اس زمانہ کے متمدن ممالک کا جو حال تھا یعنی لازمی تعلیم تو کہیں تھی نہیں بلکہ ملک کے خاص طبقہ تک یہ بات محدود ہوتی تھی قریب قریب عرب کا بھی یہی حال تھا مصر ، ایران ، روم عرب کے ان ہمجوار ممالک کی جو کیفیت تھی کوئی وجہ ہو سکتی تھی کہ عرب اس کیفیت سے غیر متاثر رہتا ۔ خصوصاً جب اپنی رحلۃ الشتاء والصیف (سرمائی و گرمائی سفر) میں سال کا اکثر حصہ اس ملک کے شہری باشندے ان ہی ممالک میں بسر کرتے تھے ۔

اس قرآنی شہادت کے بعد دنیا کے تمام تاریخی ذخیروں میں جو سب سے زیادہ اعتمادی ذخیرہ آج بنی آدم کے پاس موجود ہے یعنی حدیثوں سے بہ تواتر ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ نازل ہونے کے ساتھ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کو لکھوا لیا کرتے تھے تو کیا اس واقعہ کے متعلق صرف اس بنیاد پر ہم شک میں مبتلا ہو سکتے ہیں کہ کسی استشراقی بزرگ نے یہ نکتہ پیدا فرمایا ہے کہ مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغی کاموں سے اتنی فرصت کہاں ملتی ہوگی جو نازل شدہ قرآن کو لکھوا لیا کرتے ہوں گے گویا مکی زندگی کی مشغولیت میں نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سوتے تھے نہ کھاتے تھے ، نہ بیوی بچوں میں رہتے تھے بلکہ مشغول ہی مشغول تھے ۔ اور صرف ایک ہی بسیط کام میں مشغول تھے ۔ پھر سوال ہوتا ہے کہ مدینہ میں آپ کی مشغولیت بڑھ گئی تھی یا گھٹ گئی تھی ۔

[1] اور جو پہلی آیت قرآن کی نازل ہوئی اس کی ابتدا بھی قرأت (خواندگی) و تعلیم بالقلم (لکھنے) سے کی گئی ہے کیا اسی کتاب کے [illegible]

بھلا ان آسمانی تاروں کے توڑنے کی طاقت بجز مغربی محققین کے کسی غریب مشرقی میں کہاں پیدا ہو سکتی ہے۔ اجمل صاحب پر تعجب و حیرت ہے کہ اتنی لچر باتوں کا تذکرہ انھوں نے علمی مقالہ میں کس بنیاد پر فرمایا بجز ابلیسی وسوسے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

بہر حال قرآن سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور اسلامی روایات کی بھی یہی شہادت ہے کہ نازل ہونے کے ساتھ ہی قرآن مکتوب و نوشتہ ہو جاتا تھا۔ اور اسی کے ساتھ ہم مسلمانوں کو یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نزول سے پہلے بھی قرآن مکتوب ہی تھا جس کا مطلب یہی ہوا کہ چند منٹ کے سوا یعنی جس وقت قرآن نازل ہوتا تھا یا غیب سے شہادت میں آتا تھا ازلاً و ابداً اولاً و آخراً قرآن نوشتہ اور صرف نوشتہ تھا۔ نازل ہونے سے پہلے ہی لکھا ہوا تھا اور نازل ہونے کے ساتھ ہی لکھا گیا اور اس وقت تک وہ مسلسل اسی کتابی شکل میں اس طریقہ سے موجود ہے کہ ایک سکنڈ کے لئے بھی اس سے اس کی کتابی حیثیت کبھی علیحدہ نہیں ہوئی۔ جیسا کہ دنیا کی عام مذاہب کی آسمانی کتابوں کا حال ہے کہ کسی کے متعلق بھی معلوم نہیں کہ کب کس نے، کہاں، کن کن وقتوں میں اس کے کن کن اجزاء کو کتابی شکل عطا کی۔ ہندوستان کے مذاہب کی اساسی کتابوں کا یہی حال ہے تورات پر دو دو سال سے زیادہ زمانہ ایسا گذرا کہ دنیا میں اس کا لکھا ہوا نسخہ موجود نہ تھا اور انجیل تو سرے سے مفقود ہی ہو گئی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی سیرت ہی کا نام انجیل رکھ دیا گیا ہے۔ یہ تو قرآن کی کتابت کا مسئلہ ہوا۔ باقی رہی یہ بات کہ اس کی موجودہ کتابی شکل کس کی عطا کی ہوئی ہے یعنی آیات اور آیات کے سورتوں کی موجودہ ترتیب کس طرح قائم ہوئی؟ ظاہر ہے کہ قرآن جب اپنے ابتدا نزول ہی سے کتابی شکل اختیار کر رہا تھا تو کھلی ہوئی بات ہے کہ اس کی ترتیب بھی اسی شخص کی دی ہوئی ہے جو اس کو لکھوا دیا کرتے تھے لیکن پھر بھی اصل واقعہ کو زیادہ وضاحت سے سمجھانے کیلئے میں ترتیب کے ساتھ مسئلہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتا ہوں۔ (۱) آیتوں کی ترتیب کا مسئلہ۔ (۲) سورتوں کی ترتیب کا مسئلہ۔

پہلے مسئلہ کو سمجھنے کے لئے ایک مثال اپنے سامنے رکھ لینا چاہئے۔ فرض کیجئے کہ ایک شخص چند علوم کا عالم ہے۔ مثلاً تاریخ، ریاضی، فلسفہ، جغرافیہ سب میں دستگاہ رکھتا ہے اور وہ ان تمام علوم کے متعلق ایک ایک کتاب لکھنا شروع کرتا ہے۔ جب تاریخی مواد کا ایک حصہ جمع ہو جاتا ہے تو اس کو تاریخ کی کتاب میں داخل کرتا ہے جب جغرافیہ کے معلومات فراہم ہوتے ہیں تو جغرافیہ کی کتاب میں شریک کرتا ہے۔ یوں ہی وقتاً فوقتاً مذکورہ بالا علوم کی زیر تصنیف کتابوں میں اضافہ کرتے ہوئے سب کو آخر ایک مدت کے بعد ختم کرتا ہے یوں اس کی کل کتابیں مکمل ہو جاتی ہیں۔

بس یوں ہی خیال کرنا چاہئے اور یہی واقعہ بھی ہے کہ قرآن کی جتنی سورتیں ہیں اُن کی حیثیت ایک مستقل رسالہ اور تصنیف کی ہے ہر رسالہ کا موضوع بحث جدا جدا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ان الگ الگ رسالوں کے متعلق وقتاً فوقتاً مضامین نازل ہوتے رہتے تھے اور جس رسالہ کا جو مضمون ہوتا تھا آپ اسی رسالہ میں اس مضمون کو درج کرا دیا کرتے تھے۔ کسقدر حیرت و استعجاب کی بات ہے کہ جو لوگ آج اس سعی لاحاصل میں اپنا وقت گنوا رہے ہیں کہ قرآن کی نزولی ترتیب کا پتہ چلانا چاہئے۔

(باقی صفحہ 9 پر ملاحظہ فرمائیے۔)